تأثراتِ عرفانی

(پُرانے کاغذات میں سے)

"اسلام اور مسلم"

"الحکم" مورخہ ۲۸ رجون ۱۹۳۸ء میں "اسلام اور مسلم" کے عنوان سے حضرت میر حامد شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظم کو دیکھ کر دیر تک میں عالم تصور میں عہد سعادت کے واقعات کو دیکھتا رہا۔ جو یکے بعد دیگرے ایک فلم کی طرح میری آنکھوں کے سامنے سے گذر رہے تھے۔ الحکم ان ایام میں جماعت کے لئے ایک بشیر اور محبوب تھا۔ اسلئے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حیات پرور **کلمات** اور سلسلہ کے حالات و واقعات کا امین تھا۔ حضرت میر حامد شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جماعت سیالکوٹ کے تمام مخلص احباب الحکم کی اعانت اور اس کی مضبوطی کو اپنا دینی فرض یقین کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد الحکم میں ضعف پیدا ہوا۔ مگر اس کی قبولیت دشمنوں پر اس کا رعب اس کی صاف گوئی اور جرأت کا ہر طبقہ کو اعتراف تھا۔ ۱۹۱۳ء میں جبکہ "الفضل" جاری ہو چکا تھا۔ حضرت میر حامد شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نظم لکھی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عالم رویا میں اس کو پسند فرمایا۔ اور اُسکی اشاعت کا الحکم کو حکم دیا۔ آج اس واقعہ پر بھی ربع صدی گذرتی ہے۔ اور حضرت میر حامد شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی عالم بقا کو سدھار رہے۔ خاکسار عرفانی کو اللہ تعالیٰ نے حضرت

اولوالعزم (ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

کے عہد خلافت کی کامیابیوں کو دیکھنے کا موقعہ دیا۔ عرفانی صغیر (محمود احمد عرفانی) نے اس نظم کو ضائع ہونے سے بچایا۔

جزاہ اللہ احسن الجزاء

یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک نشان ہے۔ یہ حضرت اولوالعزم (ایدہ اللہ تعالیٰ) کی صداقت کی دلیل ہے۔ اس میں آپ (ایدہ اللہ) کی خلافت کی پیشگوئی ہے۔ یہ "الحکم" کی قبولیت کو لئے ہوئے ہے۔ اس نظم کی اشاعت پر جماعت کے مخلصین کی ایک خاص تعداد نے بڑے انشراح اور شوق سے سات روپے پر اُسے خرید کر اس محبت کا ثبوت دیا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کو تھی۔ خواب کی بات تھی۔ اس کی تعبیر ہو سکتی تھی۔ مگر ظاہری الفاظ میں ان مخلصین نے اس کو پورا کیا۔ ان احباب کے نام دفتر الحکم کے پُرانے کاغذات میں موجود ہیں۔ عزیز مکرم محمود احمد صاحب عرفانی سے کہونگا۔ کہ وہ اس فہرست کو بھی نکال کر شائع کر دیں۔ اور خود حضرت میر حامد شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کو سات روپے پر خریدا۔ جہاں تک مجھ کو یاد ہے۔ سب سے اوّل حضرت چوہدری رستم علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اس قیمت پر خریدا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور میں نے پیش کیا۔ اور بطور نذر پیش کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ حکم کی تعمیل میں میں بھی خریدوں گا اور خرید فرمایا۔ غرض وہ ایک پُرکیف نظارہ تھا۔ منشی ہاشم علی صاحب سنوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی محبت اور اخلاص کا خط لکھا تھا۔ غرض احباب میں ایک سرور بخش جوش تھا۔

میرا اپنا خیال ہے۔ کہ اس نظم کو نہایت جلی قلم سے چھوٹی سائز پر ہر صفحہ پر ایک ایک یا دو دو شعر لکھ کر الحکم پھر شائع کرے۔ اور اس خواب کی بنا پر سات ہی روپیہ قیمت رکھے۔ اور یہ سرمایہ ہو الحکم کے بقاء کے لئے۔

(باقی دیکھو صفحہ ۴)

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد صاحب عرفانی ایڈیٹر پبلشر و پرنٹر چھپکر دفتر اخبار الحکم تراب منزل قادیان سے شائع ہوا

تصحیح روایات!

۷ دسمبر ۱۹۳۵ء کے الحکم میں مَیں نے تصحیح روایات کے عنوان سے ایک سلسلہ مضامین لکھنے کا عزم کیا تھا۔ مگر انسان اپنے ارادوں اور تجویزوں میں بے بس ہے۔ میرا مقصد یہ تھا۔ کہ جو روایات اخبارات میں شائع ہوتی ہیں۔ ان میں بعض روایات اپنے مفہوم کے لحاظ سے صحیح ہوں۔ لیکن واقعات کے لحاظ سے ان میں بعض غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ آئیندہ چل کر **بعض غلط واقعات** کی وجہ سے حقیقت بھی نمایاں نہ ہو سکے۔ اس لئے میں نے چاہا تھا۔ کہ جن روایات کے متعلق میرا علم صحیح ہو جس کی تائید تحریری دستاویزات کریں۔ یا مزید لسانی شہادت مؤید ہو۔ اُن کو ساتھ ساتھ درست کر دیا جاوے۔ تاکہ حتی الامکان غلطی کا امکان کم ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد سعادت میں خدا تعالیٰ نے عربوں کو حافظہ کی ایسی قوت عطا فرمائی تھی۔ کہ حیرت ہوتی ہے۔ اور اُن میں ایسی قوی روایات تھیں۔ جنکو یاد رکھنا قومی شرف کا نشان تھا۔ مثلاً نسابی۔ اپنے گھوڑوں کی نسل اور تلوا روں تک کے متعلق روایات کو یاد رکھنا اور ادل قرون میں اشعار کو حفظ رکھنا۔ یہ ایسی باتیں ہیں۔ جو در اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو محفوظ کرنے کیلئے بطریق ارہاص تھیں۔ اس زمانہ میں کاغذ اور کتابت وعلم کا اسقدر چرچہ نہ تھا۔ اس لئے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خدمتوں کو دیکھ کر سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔ اور بے اختیار ان کے لئے دعائیں نکلتی ہیں۔ کہ انہوں نے کسقدر حیرت انگیز کام کیا۔ نہ صرف روائیتوں کو جمع کیا۔ بلکہ جن مختلف طریقوں سے وہ روائت ان تک پونہچی تھی۔ اسے بھی محفوظ رکھا۔ ہمارے زمانہ میں حالات بدل چکے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ظہور کے برکات اور نشانات میں سے کتابت وطباعت واشاعت کے وسیع ذرائع پیدا ہو چکے ہیں۔ پس ضروری ہے۔ کہ جہاں تک میرا علم میری معرفت میری مدد کرنے میں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات کو قلمبند کر کے سب سے پہلا اشاعت کرنے والا ہوں۔ اب جبکہ روایات کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ اُن کے متعلق اگر کہیں اصلاح کی ضرورت سمجھوں تو تصحیح کر دوں۔

اللہ تعالیٰ جو دلوں کی مخفی حالتوں اور عزائم کو جانتا ہے کہ میری غرض محض ما ارید الا الاصلاح ہے۔ احباب ایسی نیّت اور نظر سے انکو دیکھیں۔ (عرفانی از سکندر آباد)

عزیز مکرم شیخ محمد نصیب صاحب کی روایات

الحکم کے بعض گذشتہ نمبروں میں عزیز مکرم شیخ محمد نصیب صاحب کی روایات شائع ہوئی ہیں۔ اُن میں سے بعض کے متعلق واقعات کی اصلاح کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔

۱۴ جنوری ۱۹۳۹ء کے الحکم کے صفحہ ۳ کے کالم ۳ میں شیخ صاحب نے سید احمد نور صاحب کے مقدمہ کا ذکر کیا ہے۔ انمیں بعض واقعات کی صراحت اور صحت ضروری ہے۔

سید احمد نور صاحب نے ڈھاب میں اپنا مکان بنانا چاہا۔ اور وہ مٹی وغیرہ ڈال کر زمین درست کر رہے تھے۔ کہ قادیان کے سکھوں اور دوسرے ہندو کاشتکاروں نے حملہ کر دیا۔ ان کا دفاع اور مقابلہ سید احمد نور نے بھی کیا۔ اور پالا رام ایک برہمن زخمی ہو گیا۔ ابتداءً ہم کوشش کرتے تھے۔ کہ مصالحت ہو جائے۔ لیکن چونکہ پالا رام زخمی ہو گیا تھا۔ اس لئے بعض لوگوں نے ان کو اکسایا۔ اور نالش کرنے کے لئے بھیجدیا۔ شیخ صاحب اس میں لکھتے ہیں۔ کہ نالش ان پر اور حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ اور مولوی محمد علی صاحب پر کی گئی تھی۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ میں اس مقدمہ کی ساری کارروائی میں اول سے آخر تک شریک تھا۔ اور اس عصر سعادت میں اس قسم کی تمام سیاسی ضرورتوں پر اس خادم کو کام کرنے کا کامیابی کے ساتھ موقعہ ملتا تھا۔ مجھے یاد نہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے کوئی کام میرے سپرد کیا ہو۔ اور اُس میں ناکامی ہوئی ہو۔ اس کا باعث میری خوبی نہ تھی۔ بلکہ آپ کے ساتھ خدا تعالےٰ کی جو تائید اور نصرت تھی۔ وہ کام کرتی تھی۔ کوئی بھی اس خدمت کو کرتا وہ کامیاب ہوتا۔ بہر حال یہ مقدمہ حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ اور حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رضی اللہ عنہ اور مولوی محمد علی صاحب کے خلاف دائر کیا گیا تھا۔ ممکن ہے شیخ صاحب بھی فریق مقدمہ ہوں۔ مگر مجھے یاد نہیں۔ یہ مقدمہ خان عبد الغفور خان صاحب کے پاس نہیں تھا۔ بلکہ خان ظفر خان صاحب کے پاس تھا۔

دوسری بات جو شیخ صاحب نے بیان کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم نے **خود فوجداری دعویٰ دائر کر دیا**۔ ہم نے کوئی دعویٰ دائر نہیں کیا تھا۔ ہم نے صرف پولیس کو واقعہ کی اطلاع دی تھی۔ پولیس نے خود تفتیش کی تھی۔ اور بلوہ میں ملزمان کا چالان کر دیا

تیسری بات شیخ صاحب نے سکھوں کی معذرت کے متعلق لکھی ہے۔ کہ وہ مسجد مبارک کی سیڑھیوں میں سے ہو کر اوپر آئے۔ اور یہ واقعہ شہادتِ صفائی کے طلب کئے جانیکا ہے ایسا نہیں۔ شہادت صفائی ہو کر حکم سنانے کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی۔ بلوائیوں کو میاں تراب علی صاحب نے (جو احمدی جماعت کی مخالفت میں بہت نمایاں حصّہ لیا کرتے تھے۔ باوجودیکہ اُن کے خاندان کو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان سے ہمیشہ اخلاص کے تعلقات تھے) فریق مخالف کو یقین دلایا ہوُا تھا۔ کہ

میں مقدمہ خارج کرا دونگا۔ اور بڑی بڑی سفارشیں لاؤنگا

یہ لوگ بھی یقین کرتے تھے۔ مگر آخر ان کو معلوم ہو گیا۔ کہ سزا یقینی ہے۔ تب یہ لوگ لالہ شرمپت رائے اور لالہ ملاوامل، بھائی کشن سنگھ اور دوسرے سربرآوردہ ہندوؤں کو لے کر گئے۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے دارالبرکات میں (جو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے مکان کے اوپر جانبِ غرب ایک کمرہ ہے) اس وفد سے ملاقات فرمائی۔ اور ان کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔

مجھکو اور مفتی فضل الرحمٰن صاحب کو بھی حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے پہلے ہی بلا لیا تھا۔ یعنی ہماری موجودگی میں اس وفد کی معروضات کو سنا۔ اور آپؑ نے معاف فرمایا۔ اور مجھکو اور مفتی صاحب کو فرمایا۔

آپ جا کر عدالت میں کہہ دیں۔ کہ ہم نے معاف کر دیا ہے۔ آپ بھی معاف کر دیں۔

اس پر میں نے عرض کیا۔ کہ حضورؑ! مقدمہ اب اس مرحلہ پر ہے۔ کہ کل حکم سنانا باقی ہے۔ مسل بالکل مکمل ہو چکی ہے دوسرے اس مقدمہ میں ہمارا کوئی دخل نہیں۔ اس میں مدعی سرکار ہے۔ ہم کو کچھ کہنے کا حق نہیں۔ سوم یہ مقدمہ قابلِ راضی نامہ نہیں ہے۔

میرا یہ ہرگز مطلب نہ تھا۔ جیسا کہ شیخ صاحب خیال کرتے ہیں۔ کہ یہ قابو آئے ہوئے ہیں۔ بلکہ میں تو ہمیشہ اپنے محبوب کی بستی والوں کی خدمت کرتا رہا۔ کہ یہ میرے آقا کی رعیّت ہیں۔ بلکہ صرف واقعات کا عرض کرنا مقصود تھا۔

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ہم نے معاف کر دیا ہے۔ آپ عدالت کو جا کر کہہ دیں۔ آگے اس کا اپنا کام ہے۔ ہم اپنا فرض ادا کریں گے۔

چنانچہ ہم گئے۔ اور قبل اس کے کہ مقدمہ پیش ہو۔ سردار ظفر خان صاحب کی عدالت میں پیش ہو کر واقعہ عرض کیا۔ اس نے کہا۔ کہ مرزا صاحب کا اس میں کیا تعلق ہے اس میں سرکار مدعی ہے۔ مَیں نے کہا حضرت (علیہ السلام) نے یہی فرمایا ہے۔ کہ ہم نے معاف کر دیا ہے۔ اور عدالت سے یہ کہدیا جاوے۔ اس لئے جو حضور (علیہ السلام) کا حکم تھا۔ اس کی تعمیل ہم نے کر دی ہے۔ آئیندہ جو آپ کا منشاء ہو عدالت مجاز ہے۔

اور یہ کہکر ہم لوٹنا ہی چاہتے تھے۔ کہ اس نے مجھے بلایا۔ اور کہا۔ کہ اچھا۔ جب مرزا صاحب معاف کرتے ہیں۔ جن کو یہ لوگ دکھ دیتے ہیں۔ تو میں بھی معاف کرتا ہوں۔ اور فریق ثانی کے ملزموں کو بلا کر ملامت اور نصیحت کی۔ اور اس بات کا اس کے دل پر بہت اثر ہوُا۔ اور وہ بار بار ذکر کرتا تھا۔ کہ اس قدر بلند حوصلگی ایسی حالت میں کہ آج میں ملزموں کو سزا دے دیتا۔ وہ معاف کرتے ہیں۔ اتنا بڑا دل ہر شخص کا نہیں ہو سکتا۔

سردار صاحب پر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فعلِ معافی کا بہت بڑا اثر رہا۔ اور جب تک وہ یہاں رہے۔ جماعت کی طرف سے اگر کوئی معمولی شکایت بھی ان کے کان میں پہنچی۔ تو وہ اس کا تدارک کرتے۔ جماعت کی شرافت۔ صداقت اور امن پسندی کے وہ ہمیشہ قائل تھے۔

غرض

اس واقعہ میں بعض امور کی صراحت ضروری تھی۔ سو مَیں نے کر دی ہے۔

(عرفانی)

پچاس سال پیشتر کے حالات و واقعات

(حضرت عرفانی کبیر کے قلم سے)

اس مضمون کے متعلق "الحکم" کے پہلے نمبر میں اعلان کیا گیا تھا۔ مگر حضرت والد صاحب کی گوناگوں مصروفیتوں اور بیماری کی وجہ سے یہ مضمون دیر سے پہنچا۔ اس لئے آج کی اشاعت میں شائع کر رہا ہوں۔
(ایڈیٹر)

جیسا کہ میں نے اعلان کیا تھا۔ کہ الحکم کی آئندہ اشاعتوں میں کم از کم مہینے میں دو بار پچاس سال پیشتر کے حالات و واقعات جنکا تعلق سلسلہ عالیہ احمدیہ سے ہے۔ انشاء اللہ شائع ہوتے رہیں گے میں قادیان سے قریبًا بیمار ہی آیا تھا۔ اور انفلوانزا کا حملہ ایسا تھا۔ کہ اسوقت تک بھی ایسی قوت و طاقت نہیں آئی۔ کہ جم کر کام کر سکوں۔ بلکہ بعض اوقات تو ایسی حالت ہوتی ہے۔ کہ چارپائی سے اٹھنے میں بھی تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ اور حلق کی خراش بھی ایک حد تک باقی ہے۔ ہاں میں سمجھتا ہوں۔ کہ مجھے اس سلسلہ کو شروع کر دینا چاہیئے۔ اور خدا تعالٰے کے فضل اور رحم پر بھروسہ کر کے آج پہلی قسط بھیج رہا ہوں۔

۱۸۸۹ء کے حالات

۱۸۸۹ء سلسلہ عالیہ احمدیہ کا بنیادی سال ہے۔ اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری ہی زندگی خدا تعالٰی کے ایک بہادر پہلوان کی طرح گذر رہی تھی۔ صیانت اسلام اور مخالفین اسلام کی نکتہ چینیوں کے جواب میں آپ کا قلم اوائل جوانی سے کام کر رہا تھا۔ آپ کے زہد و ریاضت آپ کے تقویٰ اور معرفت ربّانی کی ایک دھوم تھی۔ اور بعض سعادت مند روحیں آپ کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں۔ براہین احمدیہ کی اشاعت کے بعد تو ایک شور مچ گیا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السّلام پسند کرتے تھے۔ کہ خاموشی کے ساتھ خدمت اسلام کرتے رہیں۔ لیکن منشاء الٰہی کچھ اور تھا۔ آپ گوشۂ تنہائی کو پسند کرتے تھے۔ اور زمانہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا

بشتابید نصرت را

اکثر لوگ چاہتے تھے۔ کہ آپ سے بیعت کریں۔ مگر آپ نے ہمیشہ ان کو یہ جواب دیا۔ کہ

لستُ بمامور

میں بیعت لینے کیلئے مامور نہیں ہوں۔ آخر وہ وقت آگیا۔ کہ خدا تعالٰے کی ہلکی ہلکی وحی نے آپ کو بیعت لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو جو اشتہار سبز رنگ کے کاغذ پر آپ نے "حقانی تقریر بر واقعہ وفات بشیر" کے عنوان سے ریاض ہند پریس امرتسر میں چھپوا کر شائع کیا۔ اسی میں آپ کے بیعت کے لئے مامور ہونے کا اعلان اس طرح فرمایا:-

تبلیغ

"میں اسجگہ ایک اور پیغام بھی خلق اللہ کو عمومًا اور اپنے بھائی مسلمانوں کو خصوصًا پونہچاتا ہوں۔ کہ مجھے حکم دیا گیا ہے۔ کہ جو لوگ حق کے طالب ہیں۔ وہ سچا ایمان اور سچی ایمانی پاکیزگی اور محبت مولیٰ کا راہ سیکھنے کیلئے اور گندی زیست اور کاہلانہ اور غدّارانہ زندگی کے چھوڑنے کے لئے مجھ سے بیعت کریں۔ پس جو لوگ اپنے نفسوں میں کسی قدر یہ طاقت پاتے ہیں۔ انہیں لازم ہے۔ کہ میری طرف آویں۔ کہ میں ان کا غمخوار ہونگا۔ اور ان کا بار ہلکا کرنے کیلئے کوشش کرونگا۔ اور خدا تعالٰی میری دعا اور میری توجہ میں اُن کے لئے برکت دیگا۔ بشرطیکہ وہ ربّانی شرائط پر چلنے کے لئے تیار ہونگے۔

یہ حکم ربانی ہے جو آج میں نے پہنچا دیا ہے

اس بارہ میں عربی الہام یہ ہے۔ کہ اذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ۔ واصنع الفلک باعیننا و وحینا۔ الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم

والسلام علٰی من اتبع الھدیٰ۔

المبلغ خاکسار غلام احمد عفی عنہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء

یہ اعلان جیسا کہ اس کی تاریخ سے ظاہر ہے۔ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو کیا گیا۔ اور یہ سبز اشتہار کے خاتمہ پر ہے۔ اسی سبز اشتہار میں

حضرت اولوالعزم کی پیدائش کی بشارت ہے،

باوجود اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو شائع کیا گیا۔ لیکن بیعت کے لئے کسی تاریخ اور مقام کا آپ نے اعلان نہیں فرمایا۔ بلکہ خدا تعالٰی کی مشیّت نے اس تبلیغ کی تکمیل کو ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء تک ملتوی رکھا

جبکہ خدا تعالٰی کا مبشّر اور موعود اولوالعزم محمود اس دنیا میں آ گیا

چنانچہ ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو آپ نے تکمیل تبلیغ کے عنوان سے ایک اور اشتہار شائع فرمایا۔ اور اسی اشتہار میں حضرت اولوالعزم کی موعود اور مبشّر ولادت کا اعلان فرمایا۔ اس طرح پر سلسلہ عالیہ احمدیّہ کی بنیادی اینٹ عملاً اس وقت تک نہ رکھّی گئی۔ جب تک کہ حضرت الوالعزم کی ولادت نہ ہوئی۔ اور میں ہمیشہ یہی سمجھتا ہوں۔ اور یہی عقیدہ رکھتا ہوں کہ

حضرت اولوالعزم کا وجود اور سلسلہ عالیہ احمدیّہ توام ہیں

اس اعلان میں بھی بیعت کے لئے کوئی تاریخ اور مقام آپ نے مقرر نہیں فرمایا۔ بلکہ شرائط بیعت کا اعلان کیا۔ بیعت کے اغراض و مقاصد اور عملی زندگی میں اس کے ثمرات و برکات کا اظہار فرمایا۔ اور اجازت دی کہ

بعد ادائے استخارہ مسنونہ اس عاجز کے پاس بیعت کیلئے آویں

یہ اشتہار ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو شائع ہوا۔ اور امرتسر کے اسی مطبع ریاض ہند پریس میں چھپ کر شائع ہوا۔

مطبع ریاض ہند کا کچھ ذکر!

موقعہ کی مناسبت کے لحاظ سے میں مطبع ریاض ہند کا کچھ ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں اس مطبع کے مالک شیخ نور احمد صاحب مرحوم و مغفور تھے۔ شیخ صاحب پہلے پادری رجب علی صاحب کے مطبع وکیل ہندوستان اور تفسیر ہندوستان میں کام کرتے تھے۔ اور ان کو پادری صاحب نے براھین احمدیّہ چھاپنے کیلئے مراد آباد سے بلایا تھا۔ وہ اپنے کام کے ماہر اور نہایت نیک طبیعت کے انسان تھے آخر انہوں نے اپنا مطبع الگ کر لیا۔ اور براھین احمدیّہ کی چوتھی جلد ان کے مطبع میں طبع ہوئی۔ اس کے بعد حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سارا کام مطبع ریاض ہند میں جانے لگا۔ ریاض ھند کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار بھی انہوں نے جاری کیا جس میں زمانہ طالبعلمی میں میں بھی مضمون لکھتا تھا۔ اور ۹۴-۱۸۹۵ء میں اس کا مستقل ایڈیٹر بھی رہا۔ شیخ نور احمد صاحب نے حضرت اقدس کی بعض کتابوں مثلاً آئینہ کمالات اسلام وغیرہ کے چھاپنے کیلئے ریاض ھند ہی کے نام سے قادیان میں بھی مطبع قائم کیا تھا۔ مگر مشکلات کی وجہ سے وہ زیادہ عرصہ تک اسے نہ رکھ سکے۔ جب تک حضرت اقدس کا کام ریاض ھند یا دوسرے مطابع میں طبع ہوتا رہا حضرت اقدس ابتداءً منشی امام الدین نام ایک کاتب سے کام لیتے تھے۔ اس کے بعد یہ سعادت منشی غلام محمد صاحب کے حصہ میں آئی۔ مگر جب مستقل مطبع قادیان میں قائم ہوا۔ تو منشی غلام محمد صاحب کے علاوہ حضرت صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب اور حضرت صاحبزادہ منظور احمد صاحب کو اس نعمت سے حصہ ملا۔ اور منشی کرم علی صاحب کو سنگ سازی کی خدمت عطا ہوئی۔ اور یہ واقعہ ہے ان کی سنگ سازی کے کمالات کا۔ حضرت اقدسؑ ہمیشہ مسرّت کا اظہار فرمایا کرتے اور انعامات بھی عطا فرماتے۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں یہ بیان کر رہا تھا۔ کہ

۱۸۸۹ء سلسلہ عالیہ احمدیّہ کا بنیادی سال ہے۔ اور اسی سال کی ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو حضرت اولوالعزم کی ولادت ہوئی۔

اور اس طرح پر یہ سال اپنی خاص برکات کو لے کر شروع ہوا۔ اور ان برکات کا نزول اس ابتلاء کے بعد ہوا جو بشیر اوّل کی وفات سے شروع ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی سبز اشتہار میں انزال رحمت اور روحانی برکت کے طریقوں کا ذکر اس کے حاشیہ میں کر کے تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا:-

خدا تعالٰے نے چاہا کہ اس عاجز کی اولاد کے ذریعہ سے یہ دونوں شق ظہور میں آجاویں۔

معاندین پر تعجب

مجھے ہمیشہ تعجب ہوتا ہے۔ اور افسوس آتا ہے۔ کہ آج ایک گروہ جو حضرت اولوالعزم کے ساتھ عداوت اور بغض رکھتا ہے۔ اور اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدّام میں بھی داخل سمجھتا ہے

بلکہ کہتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام انکے محبوب ہیں۔ کس طرح پر اس صداقت سے دُور چلے گئے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اولاد کو انزالِ رحمت اور برکت کے دونوں طریقوں کا باعث اور ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ اور یہ خدا ناترس اور ظالم طبع لوگ اس اولاد سے جو رحمت اور برکت الٰہی کے نزول کا موجب اور باعث ہے۔ اس سے عداوت کرنا اس کے خلاف حقارت اور نفرت پیدا کرنا از نوعِ عبادت سمجھتے ہیں۔ اور اس پر دعویٰ یہ کہ **حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیارے ہیں** ۔ وہ تھوڑے دن صبر کریں۔ دنیا میں تو یہ حقیقت واقعات کی روشنی میں نکل چکی ہے۔ مرنے کے بعد اچھی طرح عیاں ہو جائیگی۔

کچھ اپنی نسبت ۱۸۸۹ء کے اوائل میں مَیں لدھیانہ بورڈ سکول میں داخل ہوا۔ مولوی عبدالقادر مرحوم کا مدرسہ سرائے والا خوب پُر رونق تھا۔ مکرمی مولوی محمد ابراہیم بقاپوری اور اُن کے برادر مولوی محمد اسماعیل صاحب مرحوم اس مدرسہ کے ممتاز طالب علموں میں سے تھے۔ اور واقعات نے ان کے اخلاص اور امتیاز کا ثبوت دیا۔ موسم سرما میں ظہر اور عصر کی نمازیں مَیں نواب محمد علیخاں صاحب مرحوم جھجھر والے کی مسجد البیت میں پڑھا کرتا تھا۔ نواب صاحب ایک بڑے مخلص اور دیندار مسلمان تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے ان کو بڑی ارادت تھی۔ اور اکثر ان کی مجلسوں میں حضرت اقدس علیہ السلام کا ذکر ہوتا۔ وہ نہایت ادب اور اعتقاد کے مقام پر کھڑے تھے۔

مولوی مشتاق احمد صاحب انبہٹوی بورڈ سکول میں عربی مدرس تھے۔ جو صوفی منش ہونے کے باوجود ایک متعصب مولوی بھی تھے۔ اس مدرسہ میں میر فرزند حسین صاحب ممتاز شیعہ عالم تھے۔ اور وہاں ہی نو مسلم منشی سعد اللہ مدرّس تھے۔ اور مجھے ان سب صاحبان سے ملنے کا سکول اور اس کے بعد اتفاق ہوتا۔ مَیں پہلے سے ایک دلیر طبیعت رکھتا تھا۔ اور دوسروں کے علم یا مقام سے متاثر نہیں ہوا کرتا تھا۔ حضرت مولوی عبدالقادر صاحب رضؓ اکثر مولوی مشتاق احمد صاحب کے پاس آتے اور اپنے تحریری کام کے بعد **ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے علم و فضل کی طرف دعوت دیتے** خدا تعالیٰ کے فضل و رحم سے مَیں اسوقت بھی حضرت اقدس علیہ السلام کے ساتھ اخلاص و محبت رکھتا تھا۔ اور یہ بیج ۱۸۸۶ء سے میرے قلب میں بویا گیا تھا۔ حضرت مولوی عبدالقادر صاحب سے اکثر محبت کی ملاقاتیں ہوتیں۔ اور مدرسہ میں جب وہ مولوی مشتاق احمد صاحب کو تبلیغ کرتے۔ تو میں بھی تائید کرتا۔ مگر مولوی صاحب مجھے یہ کہکر روک دیتے۔ کہ

تم علماء کی باتوں میں کیوں دخل دیتے ہو تم سمجھ نہیں سکتے

مَیں خاموش رہنے کی فطرت لیکر نہ آیا تھا۔ اس لئے کہ دیتا۔ کہ مجھے تو بات صاف سمجھ آتی ہے۔ علماء ہی کی عقل کچھ ایسی ہے۔ کہ موٹی بات نہیں سمجھتے۔ غرض وہ عجیب و غریب زمانہ تھا۔ مدرسہ کے اشتغال کے بعد میں حدیث اور صرف و نحو مولوی محمد مشتاق صاحب سے پڑھتا۔ اور آریوں اور عیسائیوں سے مباحثہ کے لئے مرحوم شیخ الہ دیا صاحب کی دوکان کو ایک مدرسہ سمجھ کر جاتا۔ اور اکثر کئی کئی گھنٹے گذارتا۔ وہاں ہی حضرت ناناجان مرحوم و مغفور سے ملاقات کی ابتداء ہوئی۔ اور خدا تعالیٰ نے اس میں برکت بخشی۔

حضرت صاحبزادہ افتخار احمد صاحب (جنکا میں ہمسایہ تھا) کے ساتھ خصوصیّت سے تعلقات تھے۔ میں ان کی صحبت میں عموماً روزانہ جاتا۔ اور رمضان میں جب وہ مسجد میں معتکف ہوتے تو اکثر ان کے فیضِ صحبت سے فائدہ اٹھاتا۔ وہ ان ایام میں **مکتوبات امام ربّانی** کو خصوصیّت سے پڑھتے تھے۔ آخر انہوں نے ایک تبلیغی نظام کا ارادہ فرمایا۔ اور ایک **ماہوار رسالہ**

انوار احمدیّہ

کے نام سے جاری کرنے کا عزم کیا۔ اور ایک مدرسہ بھی جاری کیا۔ میں رسالہ کا ایڈیٹر مقرر ہوا۔ اس انجمن کی تبلیغ کے لئے خاکسار عرفانی اور حضرت شاہزادہ عبدالمجید صاحب اوتریری مسلم مقرر ہوئے۔ اور ضلع لدھیانہ کا اکثر ہم دونوں نے دورہ کیا۔ خدا تعالےٰ کی یہ عجیب شان اور غریب نوازی ہے۔ کہ

اس زمانہ کے دوست احباب پھر اکٹھے ہو گئے

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خدام میں ہو کر ہم ایک ہی باپ کے بیٹے کہلائے۔ اور خدا تعالےٰ نے محض اپنے رحم سے ہم سب کو

قادیان میں جمع کر دیا

میں ایک بصیرت اور معرفت سے جانتا ہوں۔ کہ ہماری اسوقت کی مساعی محض خدا تعالےٰ کی رضاء کے لئے تھیں۔ کوئی مادی غرض انکی تہ میں نہ تھی۔ بلکہ مختلف قسم کی تکلیفیں اور مشکلات راستہ میں حائل تھیں۔ مگر ہم ایک سرور کیساتھ قدم اٹھائے جا رہے تھے۔ اور مَیں اب یقین کرتا ہوں۔ کہ یہ سب کچھ آنے والی برکات کا پیش خیمہ تھا

غرض

۱۸۸۹ء کا آغاز حضرت اولوالعزم کی ولادت باسعادت اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے آغاز کی تاریخ سے ہوا۔ (باقی آئندہ)

بقیہ مضمون صفحہ (۱)

میں یقین کرتا ہوں۔ کہ بعد میں آنے والے مخلصین اس مظاہرہ میں سابقون الاولون سے پیچھے نہ رہیں گے۔

مَیں ان ایام میں الحکم کا عملاً ایڈیٹر تھا۔ اور اب سرپرست تو ضرور ہوں۔ اور الحکم کے بقا کے لئے قریبًا پانسو بلکہ بعض اوقات چھ سو روپیہ سالانہ دیتا ہوں۔ اور مَیں اس میں خوشی محسوس کرتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُسے اپنا ایک بازو قرار دیا۔ اور حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے

الحکم کو بند نہ کرنے کی مجھ سے بیعت لی

اور اپنی آخری ساعات میں الحکم کو حضرت اولوالعزم (ایدہ اللہ تعالےٰ) کی تولیت میں دیا۔ اور مَیں اس لحاظ سے بھی اس کا بقا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس لئے میں اپنے تمام دوستوں کو جو "الحکم" ہی کی وجہ سے مجھ سے محبت رکھتے ہیں۔ اور بعد میں آنے والے مخلصین کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ وہ اس نظم کے خریدنے میں سعی کریں۔ خدا تعالےٰ ان چند سکوں کے خرچ کرنے میں ان کے لئے برکات رکھدیگا۔ اور اگر الحکم کے بقا کیلئے ایک سرمایہ اس طرح پر جمع ہو سکے تو اور بھی بابرکت ہے۔ "الحکم" کا بقا قوم کا فرض ہے۔ مَیں خود بھی اس نظم کے چھپ جانے پر اس کی پانچ کاپیاں خریدوں گا۔ انشاءاللہ

مگر میں پھر ہدایت کرتا ہوں۔ کہ نہایت خوش خط جلی قلم سے اس کو چھپوایا جائے۔ تقطیع موزوں ہو قلم جلی ہو اور کاغذ عمدہ لگایا جائے۔ بہتر ہو۔ کہ طباعت رنگین ہو۔ اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر تین سو کاپیاں یا پانچسو چھپوائی جاویں۔ اگر ہر احمدیہ انجمن اُسے خرید لے۔ تو میں سمجھتا ہوں زیادہ بھی اس کی اشاعت ہو سکتی ہے۔ بہرحال میں نے یہ اپنی خواہش کا اظہار صرف اس لئے کیا ہے۔ کہ الحکم کے بقا کا سامان ہو۔ اور بعد میں آنے والے مخلصین کو موقعہ ثواب ملے۔ اللہ تعالےٰ ہمارے دوستوں کو توفیق دے۔ آمین

(خادم عرفانی)

آل انڈیا نیشنل لیگ کا جدید انتخاب

۱۷ فروری ۱۹۳۹ء کو آل انڈیا نیشنل لیگ کی مجلس عاملہ نے آل انڈیا لیگ کے عہدیداران کا جدید انتخاب کیا۔ اور حسب ذیل عہدیدار منتخب ہوئے:۔

(۱) جناب مرزا عبدالحق صاحب پلیڈر گورداسپور
صدر آل انڈیا نیشنل لیگ

(۲) جناب ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے۔
نائب صدر

(۳) جناب چوہدری اسداللہ خانصاحب
قائد اعظم نیشنل لیگ کورز

(۴) خاکسار محمود احمد عرفانی
جنرل سیکرٹری

ردّ غایتُ المرام

(۴)

حضرت عرفانی کبیر کے قلم سے

(گذشتہ سے پیوستہ)

حق کے طالبو! اور راستی کے فرزندو! خدا کے لئے اس شہادت کو ادا کرو۔ جو تم اس مضمون کو پڑھنے کے بعد اپنے اوپر فرض رکھتے ہو۔ کہ کیا پٹیالہ کے قاضی نے محض جھوٹ اور افتراء سے اس موقعہ پر بھی کام نہیں لیا؟ آہ! کیوں وہ لعنت اللہ علی الکاذبین کے سخت وعید سے نہیں ڈرتا!

امر چہارم ملائکہ یا ارواحِ کواکب

چوتھا امر یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے **وید اور وساتیر کے مذہب کے موافق اُن کو ارواحِ کواکب تبلایا ہے۔** ایھا الناظرین! ایدکم اللہ بروحِ الامین! میں یہ تسلیم کرتا ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسا بیان کیا ہے۔ مگر کیا انہوں نے یہ اپنا مذہب بیان کیا ہے؟ یا یہ کہا ہے۔ کہ وید اور دساتیر کے مذہب کے موافق خود حق پوش معترض تسلیم کرتا ہے۔ کہ وید اور وساتیر **کے مذہب کے موافق اُن کو ارواحِ کواکب تبلایا ہے۔**

یہ تو ایسی بات ہے۔ کہ اس پر کوئی اعتراض کا موقعہ نہ تھا۔ مگر عداوت کا بُرا ہو۔ کہ وہ حق کی پرواہ نہیں کرنے دیتی۔ بالغ خرد ناظرین! اس امر کے متعلق میں توضیح المرام کے چند اقتباسات دیتا ہوں۔ آپ خود ہی انصاف کریں۔

تمہیں تقصیر اس بت کی ہے یا میری خطا لگتی
مسلمانو! ذرا انصاف سے کہو خدا لگتی

اسی طرح روحانیات سماویہ خواہ انکو یونانیوں کے خیال کے موافق نفوس فلکیہ کہیں یا وساتیر اور وید کی اصطلاح کے موافق ارواح کواکب سے ان کو نامزد کریں۔ یا نہایت **سیدھی اور موحدانہ طریق سے ملائکۃ اللہ کا انکو لقب دیں۔** انتہی

پھر ان کے عقیدہ کے متعلق صفحہ ۳۴ پر فرمایا:۔
یہ کتاب ان روحانیات کو جو کواکب اور سموات سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہ صرف ملائکہ قرار دیتے ہیں۔ بلکہ اُن کی پرستش کیلئے بھی تاکید کرتی ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ **اِن کتابوں میں تحریف اور الحاد کے طور پر یہ پُر کفر تعلیمیں زائد کی گئی ہوں۔**

اور صفحہ ۳۶ و ۳۷ میں لکھا ہے:۔
اب میں پھر ملائکہ کے ذکر کی طرف عود کر کے کہتا ہوں۔ **کہ یہ قرآن شریف نے جس طرز سے ملائک کا حال بیان کیا ہے۔ وہ نہایت سیدھی اور قریب قیاس راہ ہے۔** اور بجز اس کے ماننے کے انسان کو کچھ بن نہیں پڑتا۔

پھر فرمایا:۔
پس اس میں کچھ شک نہیں کہ بوجہ مناسبت نورانی وہ نفوس طیّبہ ان روشن اور نورانی ستاروں سے تعلق رکھتے ہونگے۔ جو آسمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر اس تعلق کو ایسا **نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جیسے زمین کا ہر ایک جاندار اپنے اندر جان رکھتا ہے۔ الی قولہ بلکہ ایک مجہول الکنہہ تعلق ہے۔** پھر صفحہ ۳۸ پر فرمایا:۔
اور جیسے خدا تعالےٰ نے تمام عالم کیلئے بطور جان کے ہے ایسا ہی (مگر اسجگہ تشبیہہ کامل مراد نہیں) وہ نفوس نورانیہ کواکب اور سیارات کے لئے بمنزلہ جان ہی کا حکم رکھتے ہیں۔

پھر آئینہ کمالاتِ اسلام میں جہاں ملائک کے متعلق بڑی وضاحت سے بحث کی ہے۔ اور ان کے متعلق مختلف پہلوؤں کو روشن کیا ہے۔ آپ نے صفحہ ۱۴۳ کے حاشیہ میں فرمایا

"اس بھید کو اوّل قرآن کریم نے ظاہر فرمایا۔ اور پھر عارفوں کو اس طرف توجہ پیدا ہوئی۔ غرض اس آیت سے بھی منقولی طور پر یہی ثابت ہوا۔ کہ **فرشتے نجوم اور آسمانی قویٰ کے لئے جان کی طرح ہیں۔** اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں کبھی نجوم کا فعل فرشتوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور کبھی فرشتوں کا فعل نجوم کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جبکہ **قرآن کریم کی تعلیم کی رو سے فرشتے نجوم اور شمس اور قمر اور آسمان کیلئے جان کی طرح ہیں۔ اور قیام اور بقاء ان تمام چیزوں کا فرشتوں کے تعلق پر موقوف ہے۔** الخ"

اب ان اقتباسات پر غور کرنے سے حقیقت عیاں ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا مذہب کھول کر بتایا ہے۔ جن فقرات کو جلی کر دیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوگا۔ کہ ایک طرف تو آپ نے دساتیر اور وید کا مذہب بتایا۔ پھر اس کی کمزوری کو نمایاں کیا۔ اور عوام کو سمجھانے کے لئے یہ کہا۔ کہ **فرشتے نجوم اور آسمانی قویٰ کے لئے جان کی طرح ہیں۔** اور پھر اس کی تصریح بھی کر دی۔ کہ **قیام اور بقا ان تمام چیزوں کا فرشتوں کے تعلق پر موقوف ہے۔**

یہ ایک ایسا **عقیدہ** اور **مذہب** ہے جو عارفین اور **کاملین ملّتِ اسلام** اسی پر یقین رکھتے تھے۔ اور قرآن مجید اسی کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَاِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْھَا حَافِظٌ۔ اس آیت سے ثابت ہے۔ کہ فرشتوں کا تقرر ہر ایک چیز پر ہے۔

پھر تفسیر **فتح البیان** میں ابن جریر سے بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث مروی ہے۔ قالت قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم ما فی السمآء موضع قدم الا علیہ ملک ساجد او قائم و ذالک قول الملائکۃ وما منا الا لہٗ مقام معلوم۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ آسمان پر ایک قدم کی بھی ایسی جگہ خالی نہیں۔ جس میں کوئی فرشتہ ساجد یا قائم نہ ہو۔ اور یہی معنی اس آیتہ کے ہیں۔ کہ ہم میں سے ہر ایک شخص ایک مقام معلوم یعنی ثابت شدہ رکھتا ہے۔ جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتا۔

علّامہ شعرانی کا مذہب

قرآن مجید سے اس ثابت شدہ عقیدہ پر عارف باللہ لوگوں نے بحث بھی کی ہے۔ چنانچہ علّامہ شعرانی نے کتاب "یواقیت و الجواھر" میں لکھا ہے۔ ان الملائکۃ عند اھل الحقّ اجسام لطیفۃ ولھم قوۃ التشکل والتبدل قادرون علی الافعال الشاقۃ عباد مکرمون مواظبون علی الطاعات ومعصومون من المخالفات والفسق لا یوصفون بذکورۃ ولا انوثۃ۔

ترجمہ:۔ اہل حق کے نزدیک فرشتے جسمِ لطیف ہیں۔ اور ان کو قوت تمثّل اور تشکل کی حاصل ہے۔ دشوار کاموں کے کرنے کی قوّت رکھتے ہیں۔ بزرگ بندے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی طاعت پر مواظبت رکھنے والے مخالفت اور فسق سے معصوم ہیں۔ نہ وہ مرد ہیں۔ نہ عورت

پھر اسی میں لکھتا ہے۔ ھل النجوم والشمس و القمر املاک اومضات املاک۔ فالجواب کما قالہ الشیخ فی باب الستین من الفتوحات۔ ان جمیع النجوم والشمس والقمر مراکب للملائکۃ و ذالک لان اللہ تعالیٰ قد جعل فی السمٰوٰت نقیبا من الملائکۃ وجعل لکل ملک نجما ھو مرکب لہ یسبح اللہ فیہ وجعل الافلاک تدور بھم فی کل یوم دورۃ فلا یفوتھم شیٔ من احوال المملکۃ السماویۃ والارضیۃ واملاک ھذہٖ المثنات منھم جنوداً وامراءً ووزراء وملوک

ترجمہ:۔ کیا ستارے اور سورج اور چاند فرشتے ہیں یا فرشتوں کے مرکب؟ جواب شیخ نے ساٹھویں باب فتوحات میں کہا ہے۔ کہ تمام ستارے چاند اور سورج فرشتوں کے مرکب ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتوں کو آسمان میں نقیب اور سردار بنایا ہے۔ اور ہر ایک فرشتہ کے واسطے ایک ستارہ مقرر کیا ہے۔ کہ وہ ستارہ اس فرشتہ کا مرکب ہے۔ اسمیں تسبیح کرتا ہے۔ اور افلاک ہر روز ان فرشتوں کے ساتھ دورہ کرتے رہتے ہیں۔ اور آسمان اور زمین کی مملکت کے احوال سے کوئی چیز اس فرشتوں سے فوت نہیں ہو سکتی۔ اور

یہ فرشتہ بعض اُن کے بمنزلہ لشکری کے ہیں۔ اور بعض امیر ہیں۔ اور بعض وزیر اور بعض بادشاہ ہیں۔

اب اس مقام پر ٹھہر جاؤ اور ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ حضرت مسیح نے صاف الفاظ میں بتا دیا ہے۔ کہ ہر ایک فرشتہ کے لئے ایک ستارہ ہے۔ اور وہ ستارہ اس فرشتہ کا مرکب ہے۔ یہی وہ تعلق ہے جسکا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ کہ **فرشتے نجوم اور آسمانی قویٰ کیلئے جان کی طرح ہیں۔** جبکہ یہ عقیدہ مکمل اولیائے امّت کا ہے۔ قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ اور اس کو بسہولت فہم کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مندرجہ بالا الفاظ میں ادا کر دیا۔ تو کیا بُرا کیا۔

امر پنجم:۔ کیا ملائکہ کا چلنا پھرنا زمین پر آنا محال ہے؟

امر پنجم:۔ آخری اعتراض ملائکہ کے متعلق صاحب الفتاوی نے یہ کیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذہب میں **ملائکہ کا چلنا پھرنا زمین پر آنا محال ہے۔**

کاش! یہاں ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی تحریر یا تقریر کا حوالہ دیا ہوتا۔ تاکہ رشید اور سعید روحیں اس پر غور کر کے حق پا لیتیں۔ مگر چشم بدبین کب اس کو روا رکھ سکتی ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں اور تقریروں سے اسی ایک مضمون پر میں حوالجات نقل کروں تو غایت المرام کے برابر ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ مجھے یہاں پر اس فقرہ کو دہرانا پڑتا ہے۔ کہ وہ کیسی عقل سلیم ہے۔ جو اس شخص کے متعلق (جو اس امر کا مدعی ہو۔ کہ اس پر فرشتے اترتے ہیں) یہ خیال کرے کہ وہ نزول ملائکہ سے منکر ہے۔ اس سے بڑھ کر جہالت اور غلط بیانی اور کیا ہوگی؟

اس سے پہلے کہ میں اس **عقیدہ کی حقیقت یا اصلیت** بیان کروں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزول ملائکہ کا عقیدہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ براہین احمدیہ کے صفحہ ۲۴۸ کے حاشیہ در حاشیہ نمبر اول میں صورت چہارم الہام کی بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

کوئی فرشتہ انسان کی شکل میں متمثل ہوکر کوئی غیبی بات تبلاتا ہے

پھر اس کی بڑی وسیع تفسیر اپنے واقعات کے ذریعہ تبلائی ہے "فتح اسلام" میں سورہ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر کی تفسیر کرتے ہوئے اس عقیدہ کی صراحت کر دی ہے۔ اس لحاظ سے کہ کسی مستعد اور سعید طبیعت کو اس سے فائدہ پہنچے میں اس حصّہ کو یہاں درج کر دیتا ہوں:۔

سورۃ القدر مکیۃ وھی خمس آیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ وما ادراک ما لیلۃ القدر۔ لیلۃ القدر خیر من الف شھر۔ تنزل الملئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر۔ سلٰم۔ ھی حتی مطلع الفجر۔

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے اس نبی اور اس کتاب کو لیلۃ القدر میں اتارا ہے۔ اور تو جانتا ہے۔ .... کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے؟ لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح القدس اُن کے رب کے اذن سے اترتے ہیں۔ اور وہ ہر ایک امر میں سلامتی کا وقت ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ فجر ہو۔

تفسیر: لیلۃ القدر مسلمانوں کے ظاہری عقیدہ کے مطابق ایک متبرک رات کا نام ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو حقیقت اس کی اللہ تعالیٰ نے کھولی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ علاوہ ان معنوں کے جو مسلّم قوم ہیں لیلۃ القدر وہ زمانہ بھی ہے جبکہ دنیا میں ظلمت پھیل جاتی ہے۔ اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے۔ تب وہ تاریکی بالطبع یہ تقاضا کرتی ہے۔ کہ آسمان سے کوئی نور نازل ہو۔ سو اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے نورانی ملائکہ اور روح القدس کو زمین پر نازل کرتا ہے۔ اسی طور کے نزول کیساتھ جو ملائکہ کی شان کے مناسب حال ہے۔ تب روح القدس تو اس مصلح اور مجدد سے تعلق پکڑتا ہے۔ جو اجتباء اور اصطفاء کے خلعت سے مشرف ہو کر دعوت حق کیلئے مامور ہوتا ہے۔ اور فرشتے ان تمام لوگوں سے تعلق پکڑتے ہیں۔ جو سعید اور رشید اور مستعد ہیں۔ اور ان کو نیکی کی طرف کھینچتے ہیں۔ اور نیک تحریکیں اور توفیقیں ان کے سامنے رکھتے ہیں۔ تب دنیا میں سلامتی اور سعادت کی راہیں پھیلتی ہیں۔ اور ایسا ہی ہوتا رہتا ہے جب تک دین اپنے اس کمال کو پہنچ جاوے۔ جو اس کے لئے مقدر کیا گیا ہے۔

ایک نہایت لطیف نکتہ جو سورۃ القدر کے معانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے صاف طور پر اور صریح لفظوں میں فرما دیا ہے۔ کہ جس وقت کوئی آسمانی مصلح زمین پر آتا ہے۔ تو اس کے ساتھ فرشتے آسمان سے اُتر کر مستعد لوگوں کو حق کی طرف کھینچتے ہیں۔ ان فرشتوں کے نزول سے ایک حرکت اور تموج دلوں میں نیکی اور راہ حق کی طرف پیدا ہو جاتا ہے۔ ان آیات کے مفہوم سے ایک جدید فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ کہ اگر سخت ضلالت اور غفلت کے زمانہ میں یکدفعہ ایک خارق عادت طور پر انسانوں کے ٹڈے میں مذہب کی تفتیش کی طرف خیال اور حرکت پیدا ہو جائے۔ تو وہ اس بات کی علامت ہوگی کہ کوئی مصلح اور موعود پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ بغیر روح القدس کے نزول کے وہ حرکت پیدا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ اور وہ حرکت حسب استعداد طبائع دو قسم کی ہوتی ہے۔ حرکت تامہ۔ اور حرکت ناقصہ۔ حرکت تامہ وہ حرکت ہے جو روح میں صفائی اور سادگی بخش کر اور عقل اور فہم کو کافی طور پر تیز کر کے روبحق کر دیتی ہے۔ اور حرکت ناقصہ وہ ہے۔ جو روح القدس کی تحریک سے عقل اور فہم تو کسی قدر تیز ہو جاتا ہے مگر بباعث عدم سلامت استعداد کے وہ روبحق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مصداق اس آیت کا ہو جاتا ہے۔ فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا۔ یعنی عقل اور فہم کے جنبش میں آنے سے پہلی حالت اس شخص کی پہلی حالت سے بدتر ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ تمام انبیاء کے وقت میں یہی ہوتا رہا ہے۔ کہ جب اُن کے نزول کے ساتھ ملائکہ کا نزول ہوا۔ تو ملائکہ کی اندرونی تحریک سے ہر ایک طبیعت عام طور پر جنبش میں آگئی تب جو لوگ راستی کے فرزند تھے۔ وہ ان راستبازوں کی طرف کھینچے چلے آئے۔ اور جو شرارت اور شیطان کی ذریت تھے۔ وہ اس تحریک سے خواب غفلت سے تو جاگ اٹھے۔ اور دینیات کی طرف متوجہ بھی ہو گئے۔ لیکن بباعث نقصان استعداد حق کی طرف رُخ نہ کر سکے۔ غرض مصلح ربّانی کے نزول کیساتھ ملائکہ کا نزول اور اس کا اثر تو ہر ایک انسان پر ہوتا ہے لیکن حسب الاستعداد۔ وہ مختلف ہوتا ہے۔ یعنی نیکوں پر نیک اثر اور بدوں پر بد۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روئیدہ در شورہ بوم خس

غرض اسباب کو کبھی بھولنا نہیں چاہیئے۔ کہ زمانہ کے فساد کے وقت جب کوئی مصلح ربانی آتا ہے۔ تو یہ سنت اللہ ہے۔ کہ اس کے ظہور کے ساتھ آسمان پر انتشارِ نورانیت ہوتا ہے یعنی اُس کے اُترنے کے ساتھ ہی زمین پر بھی ایک نور اُتر آتا ہے۔ اور مستعد دلوں پر نازل ہوتا ہے۔ تب دنیا خود بخود بشرط استعداد نیکی اور سعادت کے طریقوں کی طرف رغبت کرتی ہے۔ اور ہر ایک دل تحقیق اور تدقیق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور نامعلوم اسباب سے طلب حق کے لئے ہر ایک مستعد طبیعت میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ غرض ایک ایسی ہوا چلتی ہے۔ جو مستعد دلوں کو آخرت کی طرف ہلا دیتی ہے۔ اور سوئی ہوئی قوتوں کو جگا دیتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ زمانہ ایک انقلاب کی طرف حرکت کر رہا ہے۔ سو یہ علامتیں اس بات پر شاہد ہوتی ہیں۔ کہ وہ مصلح پیدا ہو گیا ہے پھر جسقدر آنے والا مصلح عظیم الشان ہو۔ اسی قدر قوت ان غیبی تحریکات میں ہوتی ہے۔ ہر ایک سعید الفطرت جاگ اٹھتا ہے اور نہیں جانتا کہ اُسے کس نے جگایا ہے۔ ہر ایک صحیح الجبلت اپنے اندر ایک تبدیلی پاتا ہے۔ اور نہیں معلوم کر سکتا کہ یہ تبدیلی کیونکر پیدا ہوئی۔

پس اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے وہ عظیم الشان قانون قدرت ارسال رُسل کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ جو اس کی بعثت اور نزول کے وقت انتشارِ نورانیت و روحانیت کی صورت میں دنیا پر اُترتا ہے۔ اور ایک تحریک پیدا کرتا ہے یہ بات بخوبی یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ ہر نبی اور مصلح ربانی کے نزول کے وقت ایک لیلۃ القدر ہوتی ہے۔ جس میں وہ نبی اور وہ کتاب جو اس کو دی گئی ہے۔ آسمان سے نازل ہوئی ہے۔ اور فرشتے آسمان سے اُترتے ہیں۔ لیکن سب سے بڑی لیلۃ القدر وہ ہے۔ جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر قیامت تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور جو کچھ انسانوں میں دلی اور دماغی قویٰ کی جنبش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر آج تک ہو رہی ہے۔ وہ اسی لیلۃ القدر کی تاثیریں ہیں صرف اتنا فرق ہے۔ کہ سعیدوں کے عقلی قویٰ میں کامل اور مستقیم طور پر وہ جنبش ہوئی ہے۔ اور اشقیاء کے عقلی قویٰ ایک کج اور غیر مستقیم طور سے جنبش میں آئے ہیں۔ اور جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نائب دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ تو یہ تحریکیں بڑی تیزی سے کام کرتی ہیں۔ بلکہ اسی زمانہ سے کہ وہ نائب رحم مادر میں آوے پوشیدہ طور پر انسانی قویٰ میں کچھ نہ کچھ جنبش شروع کرتے ہیں۔ اور حسب استعداد ان میں ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس نائب کو نیابت کے اختیارات ملنے کے وقت تو وہ جنبش نہایت تیز ہو جاتی ہے۔ پس نائب رسول اللہ صلعم کے نزول کے وقت جو لیلۃ القدر مقرر کی گئی ہے۔ وہ درحقیقت اس لیلۃ القدر کی ایک شاخ یا ظل ہے۔ جو آنحضرت صلعم کو ملی۔ خدا تعالیٰ نے اس لیلۃ القدر کی نہایت درجہ کی شان بلند کی ہے جیسا کہ اس کے حق میں یہ آیت کریمہ ہے۔ فیھا یفرق کل امر حکیم۔ یعنی اس لیلۃ القدر کے زمانہ میں ص۴۴

ص۴۴ جو قیامت تک ممتد ہے۔ ہر ایک حکمت اور معرفت کی باتیں دنیا میں شائع کر دی جائیں گی۔ اور انواع و اقسام کے علوم غریبہ و فنونِ نادرہ و صناعات عجیبہ صفحۂ عالم پر پھیلا دیئے جائیں گے۔ اور انسانی قویٰ میں موافق ان کی ...... استعدادوں اور مختلف قسم کے امکان بسطت علم اور عقل کے جو کچھ لیاقتیں مخفی ہیں۔ یا جہاں تک وہ ترقی کر سکتے ہیں سب کچھ بمنصۂ ظہور لایا جاویگا۔ لیکن یہ سب کچھ اُن دلوں پر زور تحریکوں سے ہوتا رہے گا۔ کہ جب کوئی نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں پیدا ہوگا۔ (باقی آئندہ)

سوانح حیات حضرت حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسمل رضی اللہ عنہ

(۵)

از جناب مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل اسسٹنٹ ایڈیٹر "الفضل"

رامپور میں مباحثہ

مذہبی مسائل کے متعلق نواب صاحب رامپور سے جب میری گفتگو ہو چکی۔ تو اس کے بعد احمدیت کے متعلق حافظ احمد علی خان صاحب شوق اور خانصاحب ذوالفقار علی خان صاحب کے درمیان مباحثات شروع ہو گئے۔ جو اکثر نواب صاحب کے مواجہہ میں ہؤا کرتے تھے۔ نواب صاحب نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ جانبین کے علماء کا ایک مناظرہ ہو جائے۔ ہماری طرف سے خواجہ کمال الدین صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ مولوی سید سرور شاہ صاحب۔ حافظ روشن علی صاحب۔ مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔ میر قاسم علی صاحب۔ اور مولوی محمد احسن صاحب امروہی وارد رامپور ہوئے۔ اور غیر احمدیوں میں سے تمام علمائے کٹھیر (یوپی کے وسط کو کٹھیر کہتے ہیں) اور پنجاب سے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو بلایا گیا۔ ایک دن رات کے وقت سب اصحاب جماعت احمدیہ خان ذوالفقار علی خان صاحب کے مکان پر نواب صاحب کی دعوت میں مدعو تھے

کہ حافظ روشن علی صاحب نے خاکسار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ہاں مولوی عبید اللہ! جو تقریر کہ نواب صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس کی ذرا تفصیل تو بیان کرو۔ خاکسار نے حافظ صاحب کے فرمانے کے مطابق تمام سرگذشت کہہ سنائی۔ اسپر مولوی محمد احسن صاحب کہنے لگے۔ مولوی عبید اللہ! تم نے بڑی غلطی کی۔ جناب امیر سے وہ خدمت ہوئی ہے۔ جو شیخین سے بھی نہیں ہوئی۔ دیکھو حدیث میں آیا ہے۔ یا علی انک تقاتل الناس علیٰ تاویل القرآن کما قاتلتُ علیٰ تنزیلہٖ۔ تاویل قرآن پر جناب امیر کا طلحہ و زبیر و معاویہ کے ساتھ جنگ کرنا ظاہر ہے۔ خاکسار نے عرض کیا۔ کہ حضرت تنزیلِ قرآن پر مقابلہ افضل ہے یا تاویلِ قرآن پر۔ فرمانے لگے نہیں تنزیلِ قرآن پر افضل ہے۔ میں نے عرض کیا۔ امیر معاویہ سے مقابلہ تاویلِ قرآن پر تھا۔ یا تنزیلِ قرآن پر۔ فرمانے لگے۔ میں ابھی کہہ چکا ہوں۔ وہ تاویل قرآن پر تھا۔ میں نے کہا۔ حضرت ابوبکر صدیق کا مقابلہ مسیلمہ کذاب سے تاویل قرآن پر تھا یا تنزیلِ قرآن پر۔ مولوی صاحب کچھ گہری سوچ کے بعد کہنے لگے ہاں تنزیلِ قرآن پر تھا۔ میں نے عرض کیا۔ تو اس حالت میں حضرت ابوبکر رضؓ کا جنگ بہ نسبت حضرت علیؓ کے جنگ کے افضل ٹھہرا۔ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے اسوقت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ مولوی صاحب چاروں شانے چت!

قاسم علی خاں صاحب کا ذکر

اس مباحثہ رامپور کا انجام یہ ہؤا۔ کہ قاسم علی خان قادیانی مولوی ثناء اللہ کا فونو گراف بن گیا۔ ہر مجلس میں جماعت احمدیہ کا مضحکہ اڑانے لگا۔ چند ہی روز کے بعد قاسم علی خاں مدرسہ ہائی سکول رامپور کا پراکٹر مقرر ہو گیا۔ ہائی سکول میں عیسائی۔ آریہ۔ سناتن دھرم۔ وہابی حنفی اور شیعہ مدرس تھے جن سے خاکسار کا وقتاً فوقتاً مختلف مسائل پر مناظرہ ہوتا رہتا تھا۔ قاسم علیخان ہر مجلس میں میرے مواجہہ میں نہیں بلکہ میری غیبت میں مولوی محمد احسن صاحب کے مناظرے کا مضحکہ اڑاتے تھے۔ ایک روز امتحان ہو رہا تھا۔ دفتر سے متصل ایک کمرہ میں تمام ٹیچرز جمع تھے۔ ان کے درمیان قاسم علی خان بیٹھے ہوئے نہایت مضحکہ انگیز تقریر کر رہے تھے۔ میں اُن کے نزدیک سے ہو کر گذرا۔ ایک پنڈت صاحب جو سناتن دھرمی تھے۔ اور سکول میں سنسکرت پڑھاتے تھے۔ انہوں نے کہا۔ آیئے مولوی صاحب آپ ہی کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔ خانصاحب کچھ آپ کی جماعت کے حالات بیان کر رہے تھے۔ میں نے کہا خانصاحب مرفوع القلم ہیں۔ ان کے مبارک دہان کو خدا ہی لگام دے۔ خانصاحب یہ تو بتائیں۔ کیا دنیا بھر میں ایک ثناء اللہ ہی عالم رہ گیا ہے، کوئی اور بھی ہے یا نہیں۔ خانصاحب تنک کر بولے۔ ہمارے رامپور میں ایسے علماء موجود ہیں جن کے سامنے ثناء اللہ زانوئے تلمذ بھی تہ نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا ٹھیک! وہ کون بزرگ ہیں؟ کہنے لگے مولوی محمد شاہ صاحب محدث۔ میں نے کہا بہت بجا! آپ اُن کی خدمت میں خاکسار کا ایک سوال لے جائیں۔ کہ قادیانی کہتا ہے۔ کہ حضرت مسیحؑ کے رفع پر ہم دل و جان سے اعتقاد رکھتے ہیں۔ آپ اس کے ساتھ جسمانی کی قید اور بڑھاتے ہیں۔ عربی میں چار لفظ انسانی قالب کے واسطے آئے ہیں۔ جسم۔ جسد۔ جثمان۔ بدن۔ اگر کسی ضعیف حدیث میں رفعہ الیہ بجسمہٖ یا بجسدہٖ یا بجثمانہٖ یا ببدنہٖ آیا ہو۔ تو مجھے دکھلا دیں۔ اسپر پنڈت صاحب فرمانے لگے۔ اگر خانصاحب لے آئے۔ تو آپ ان کے ساتھ ہو جائیں گے؟ میں نے کہا۔ انشاء اللہ میں ان کے ساتھ ہو جاؤنگا۔ اور اگر خانصاحب نہ لائے۔ تو کف اللسان کا وعدہ کریں۔ کہ کسی انجمن میں یعنی قادیانی جماعت کی بدگوئی نہیں کرونگا۔ کہنے لگے۔ بے شک! اچھا عہد ہے اسے لکھ دو۔ چنانچہ میں نے لکھ دیا۔ پنڈت صاحب نے خانصاحب سے کہا۔ آپ بھی لکھ دیں۔ انہوں نے بھی لکھدیا۔ اور دونوں کاغذ پنڈت صاحب نے اپنے پاس رکھ لئے۔ رامپور کے مدارس و دفاتر میں بجائے اتوار کے جمعہ منایا جاتا ہے۔ دوسرے روز جمعہ کا دن تھا۔ خانصاحب مولوی محمد شاہ صاحب محدث کی خدمت میں پہنچے۔ اور میرا سوال عرض کیا۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ میاں نماز پڑھو روزے رکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و ممات کا مسئلہ اصول اسلام میں سے نہیں ہے۔ اصول اسلام میں سے تو انبیاء کی نبوت پر ایمان لانا ہے۔ ان کے اعمار اور ان کے سن و سال پر بالتفصیل اطلاع پانا جزو ایمان نہیں ہے۔ یہ مسئلہ حضرت عیسیٰ کی حیات ممات کا مختلف فیہ چلا آیا ہے معتزلہ ابن حزم اور امام مالک کی نسبت بھی مشہور ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ کی موت کے قائل تھے۔ قادیانیوں میں بھی پڑھے لکھے آدمی موجود ہیں۔ اگر صحیح حدیث یا ضعیف میں رفع جسمانی یا نزول جسمانی کا ذکر ہوتا۔ تو جھگڑا ہی کیا تھا۔ پھر تو تاویل کی گنجائش نہ رہتی۔ بیشک نزول کا لفظ احادیث میں آیا ہے۔ مگر اس کی تفسیر میں بھی بہت کچھ علماء کا اختلاف ہے نواب صاحب نے مناظرہ کروایا تھا۔ ہم بھی اس میں شامل ہوئے تھے۔ ہمارا خیال تھا۔ کہ جانبین کی طرف سے اسلاف کی تصانیف کھلیں گی۔ اور ہم دیکھیں گے۔ کہ اثبات و نفی میں کیا کیا دلائل جانبین سے پیش کیے جاتے ہیں۔ قادیانیوں کا مولوی تو قال اللہ و قال الرسول بیان کرتا تھا۔ مگر مولوی ثناء اللہ تو مسخراپن کرتا تھا۔ کبھی داغ کا شعر پڑھتا۔ کبھی کسی کا شعر جو بالکل داب علماء کے خلاف تھا۔ ہماری تو طبیعت منغص ہو گئی تھی۔

خانصاحب مولوی صاحب کی خدمت سے کبیدہ ہو کر چلے آئے۔ ہفتہ کے روز جب سکول کھلا۔ تو میں نے پنڈت صاحب سے مطالبہ کیا۔ کہ اب آپ خانصاحب سے جواب حاصل کریں۔ پنڈت صاحب کے بلانے پر جب خانصاحب تشریف لائے۔ تو فرمانے لگے۔ مولوی صاحب نے تو لٹیا ہی ڈبو دی۔ پنڈت صاحب کہنے لگے۔ بھلا خانصاحب آسمان بھی کوئی ہگنے موتنے کی جگہ ہے۔ کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر چڑھاتے ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہیں۔ تو پھر آپ کے پیغمبر صاحب کی کیا فضیلت باقی رہی۔

پنڈت صاحب کے اس فیصلہ دینے نے خانصاحب کے دل پر گہرا اثر کیا۔ فرمانے لگے۔ میں نے آج سے توبہ کی۔ مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ مولوی ثناء اللہ کی علماء کے نزدیک یہ وقعت ہے۔

اس روز سے خانصاحب احمدیت کی طرف مائل ہو گئے اور رفتہ رفتہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ خانصاحب کا بیعت میں شامل ہونا ایک چنگاری تھی۔ جو بھس میں لگ گئی۔ تمام اکابر و اعاظم شہر بھڑک اٹھے۔ حافظ احمد علی خاں صاحب شوق جو احمدیت کی مخالفت میں گہری دلچسپی لے رہے تھے۔ جب اُن کو معلوم ہؤا۔ تو انہوں نے نواب صاحب سے اجازت حاصل کر کے مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کو بلوایا۔ مولوی ابراہیم صاحب نے جامعہ مسجد رامپور میں احمدیت کے خلاف اپنے لیکچر کے درمیان اس امر پر نہایت زور دیا۔ کہ توفی کا مادہ وفیٰ ہے۔ جس کے معنے پورا کر لینا اور بھر لینا مترجمین نے کئے ہیں۔ اور یہ حقیقی معنی ہیں۔ جو لغط کے جوہر سے نکلتے ہیں۔ مگر ان کے خلاف مرزا صاحب موت کے معنی لیتے ہیں۔ جو توفی کے مجازی معنے ہیں۔ علمائے فن بلاغت کے نزدیک کسی لفظ کے معنی حقیقی سے عدول کر کے مجازی معنی لینے کے لئے قرائن ثلاثہ میں سے کسی قرینے کا ہونا

ضروری ہے۔ اور بغیر قرینے کے مجازی معنے لینے جائز نہیں۔ مرزا صاحب یا مرزا صاحب کے پیروؤں میں سے کوئی بتائے۔ کہ یہاں کونسا قرینہ صارفہ عن الحقیقت موجود ہے۔ یہ بات زبان زد خواص و عام ہوگئی۔ رامپور کا مجسٹریٹ مولوی محمد نبی جو سخت مخالف احمدیت تھا۔ جابجا اس مسئلہ کو شہرت دینے لگ گیا۔ اور نواب صاحب کے روبرو ذوالفقار علی خانصاحب پر ایک شب دباؤ ڈال کر کہنے لگا۔ کوئی مرد ہے تم میں کہ قرینہ صارفہ عن الحقیقت بیان کر سکے۔ نواب صاحب نے کہا۔ کہ خارجی کو بلاؤ۔ رات کا ایک بج چکا تھا۔ چوبدار نے آکر خاکسار کو جگایا اور نواب صاحب کے دربار میں پہنچا۔ جاتے ہی نواب صاحب نے کہا۔ مولوی عبید اللہ قاسم علیخاں کو کس نے قادیانی بنایا؟ میں نے عرض کیا۔ نہ خانصاحب نے بنایا نہ میں نے بنایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں نے بنایا ہے۔ میں بھی اور خانصاحب بھی انہی کتابوں کو دیکھ کر قادیانی ہو گئے۔ قاسم علی خانصاحب بھی انہی کتابوں کو دیکھ کر قادیانی ہو گئے۔ اس پر نواب صاحب نے ارشاد فرمایا۔ کہ مولوی صاحب یعنی مولوی محمد نبی صاحب کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔ مولوی محمد نبی نے مولوی ابراہیم صاحب کی تقریر کا اعادہ کر کے کہا۔ کہ بتاؤ کونسا قرینہ صارفہ عن الحقیقت یہاں موجود ہے۔ جس کی وجہ سے موت کے معنے لئے جائیں۔

میں نے عرض کیا۔ میں قرینہ صارفہ عن الحقیقت عرض کر دیتا ہوں۔ مگر قبل اس کے کہ میں کچھ عرض کروں۔ کوئی منصف مقرر فرما لیا جائے۔ نواب صاحب بولے کہ مولوی محمد طیّب ادیب عرب۔ میں نے عرض کیا۔ کہ وہ بھی مولوی صاحب کے ہمصفیر ہیں۔ نواب صاحب کہنے لگے۔ تو جس کو بھی ہم منصف مقرر کریں گے۔ تم کہدو گے مولوی صاحب کا ہمصفیر ہے۔ تو کیا مردہ کوئی حَکَم مقرر کریں۔ میں نے عرض کیا ہاں بیشک! بے اختیار مولوی محمد نبی صاحب کی زبان سے نکلا۔ کہ ہم تو صحاح ستّہ کے سوا کسی کو مانتے ہی نہیں۔ میں نے کہا۔ الحمد للہ نواب صاحب بولے۔ کہ واہ صحاح ستّہ کوئی لغت کی کتاب ہے۔ یا کوئی بلاغت کی کتاب ہے۔ کہ تم اس میں سے قرینہ صارفہ عن الحقیقت نکالو گے۔ میں نے کہا حضور صحاح ستّہ میں سے نکال دونگا۔ مولوی محمد نبی صاحب کہنے لگے ہم تو بخاری اور مسلم سے چاہتے ہیں۔ کہ تم نکال دو۔ میں نے کہا حضرت بخاری اور مسلم سے ہی سہی۔ نواب صاحب اس بات پر جھنجھلائے۔ کہ مولوی عبید اللہ دیوانے ہو گئے ہو۔ ہاں کسی جگہ توفی کے معنے موت کے آ گئے ہوں۔ تو اور بات ہے میں نے عرض کیا۔ اسی آیت کے۔ کہنے لگے لاؤ تو بخاری۔ مہدی علی خاں تحویلدار کتب خانہ موجود تھا۔ اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ بخاری لے آؤ۔

میں نے اثر ابن عباس نکال کر پیش کیا۔ قال ابن عباس متوفیک ممیتک۔ میں نے کہا۔ حضور! یہ ہے۔ کہنے لگے مولوی انصار حسین اور مولوی علی رضا کو بلاؤ۔ وہ دونوں آ گئے۔ مولوی انصار حسین کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے۔ دیکھو تو کیا ہے۔ میں نے انگلی سے نشان رکھ کر دکھایا۔ میں نے کہا۔ نہ میں عرب۔ نہ مولوی صاحب عرب۔ نہ مولوی محمد ابراہیم صاحب عرب۔ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری عرب۔ سید المفسرین ابن عباس ابن عمِ رسول خدا عرب جبکہ یہ دونو موت کے معنی لیتے ہیں۔ تو ان سے پوچھا جائے۔ کہ کونسا قرینہ صارفہ عن الحقیقت ہے۔ انہوں نے کیوں اس کے معنی حقیقی چھوڑ کر مجازی لئے ہیں۔ اصحابی کالنجوم بایّھم اقتدیتم اھتدیتم۔ ہم نے تو ابن عباس کے جو معنی دیکھے۔ وہی کر لئے۔ اب مولوی صاحب اپنے معنے بھر لینے یا پورا کر لینے کے صحاح ستّہ میں سے دکھادیں۔ کہ کس صحابی نے لئے ہیں۔ مگر وہ کبھی دکھا نہیں سکیں گے صحاح ستّہ کے سوا مستدرک حاکم مصنفہ ابن ابی شیبہ معاجم ثلاثہ طبرانی۔ مسند امام احمد بن حنبل اور دیلمی جو کتب احادیث ہیں ان میں سے بھی مولوی صاحب نہیں دکھا سکیں گے۔ کنز العمال من اوّلہ الی آخرہٖ دیکھ لیا گیا ہے۔ کسی صحابی نے ابن عباس کے اثر کے مخالف روایت نہیں کیا۔ حضرت مرزا صاحب نے ایک نحوی اصل پیش کر کے ایک ہزار روپیہ کا انعام مشتہر کرایا تھا۔ کہ صیغہ توفی باب تفعّل سے ہو۔ اور خدا فاعل اور مفعول بہ انسان ہو۔ تو سوائے قبض روح کے اور کوئی معنے نہیں ہو سکتے خواہ موت ہو خواہ خواب ہو۔ مگر خواب کے معنوں میں لیل وغیرہ کا قرینہ دال ہوتا ہے۔ جیسے ھوالذی یتوفاکم باللیل۔ اور بغیر قرینہ کے موت ہی کے معنے لئے جاتے ہیں۔ جیسے توفنا مع الابرار۔ مولوی انصار حسین نے دیکھ کر اپنے شبہ کا اظہار کیا۔ اور کہا۔ کہ بخاری میں یہی ملفوبہ بھرا ہوا ہے۔ جس سے قادیانیوں نے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ مولوی انصار حسین کا یہ کہنا مجھے سخت بُرا معلوم ہوا۔ میں نے کہا۔ کہ جناب آپ کے ہاں بھی تو یہی معنی ہیں۔ آپ بھی تو دوسرے معنے نہیں لیتے۔ نواب صاحب تعجب سے کہنے لگے۔ کیا شیعوں میں؟ میں نے کہا۔ ہاں حضور! شیعوں میں۔ کہنے لگے۔ کس کتاب میں؟ میں نے کہا تفسیر مجمع البیان طبرسی میں۔ مہدی علی خاں کو کہنے لگے ذرا مجمع البیان طبرسی تو لاؤ۔ کتب خانہ بہت نزدیک تھا مہدی علی خاں نکال کر لے آئے۔ میں نے فلما توفیتنی نکال کر پیش کیا قال الجماعیّ اے امتّنی۔ نواب صاحب نے دیکھ کر حافظ احمد علی خاں شوق سے غصّہ کے لہجہ میں کہا۔ قادیان میں تو سالہا سال سے وفات مسیح کے متعلق شب روز بحثیں ہوتی رہتی ہیں۔ اچھا ہوا۔ کہ عبید اللہ جامع مسجد میں نہیں گیا۔ اگر یہی دو حوالے پیش کرتا۔ تو مولوی ابراہیم سیالکوٹی کی کیا وقعت رہتی۔ تم نے پانچسو روپیہ میرا برباد کیا۔ آئندہ ایسے مناظرات بند کئے جائیں۔

(باقی آئندہ)

صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مولوی ابوالحسن صاحب رضی اللہ عنہ

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

میری عمر قریباً چھ سات سال کی تھی۔ کہ میں اپنے بڑے بھائی صاحب کے ساتھ تعلیم کے لئے گھر سے نکلا۔ اور دریا سندھ پار ایک مولوی صاحب سے کچھ دن تعلیم حاصل کی۔ لیکن میرے بھائی جلدی گھر واپس آ گئے۔ اور ان کی شادی ہو گئی۔ اس لئے وہاں سے سلسلۂ تعلیم منقطع ہو گیا۔ میرے والد صاحب نے گھر میں ایک مولوی صاحب تعلیم کے لئے رکھّے۔ مگر ان سے بھی طبیعت کو موافقت نہ ہوئی۔ اس لئے اپنے وطن سے نکل کھڑا ہوا۔ اسوقت میری عمر چودہ پندرہ برس کی تھی۔ مختلف مقامات مثلاً۔ چودھواں۔ ڈیرہ اسماعیل خان۔ بنوں۔ مکھڈ۔ راولپنڈی۔ گولڑہ وغیرہ میں پھرتے ہوئے آخر دہلی پہنچے۔ وہاں مدرسہ حسین بخش میں کچھ دن رہے۔ اس کے بعد مولوی محمد اسحاق صاحب سے جو مولوی نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے۔ اور رامپور کے پٹھانوں میں سے تھے۔ حدیث پڑھنی شروع کی۔ منطق اور صحاح ستّہ ان سے پڑھی۔ ان دنوں جبکہ ہم بخاری پڑھتے تھے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح حضرت ام المومنین سے ہوا۔ اور یہ صدی کا سر تھا۔ حضرت اقدس علیہ السلام کے نام سے واقفیت پیدا ہوئی۔ چونکہ ہم اس محلے میں رہتے تھے۔ جہاں حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مکان تھا۔ اسلئے حضرت میر صاحب کبھی کبھی ہمارے پاس آجاتے تھے۔ اور بخاری شریف کی سماعت فرماتے تھے۔ میرے استاد مولوی محمد اسحاق صاحب نواب شرف الدین صاحب کے پاس رہتے تھے۔ اس زمانے میں حضرت اقدس علیہ السلام کے بارے میں بوجہ طالب علمی زیادہ توجہ نہ ہوئی۔ میرے استاد صاحب نے مجھے میرٹھ ایک مدرسہ میں تعلیم دینے کی غرض سے بطور ملازم بھیج دیا۔ لیکن وہاں سے تھوڑے عرصے کے بعد واپس چلا آیا۔ اور بغرض حصول تعلیم حکمت لکھنؤ چلا گیا۔ اور وہاں جا کر مولوی حکیم عبد الحفیظ صاحب سے حکمت کی تعلیم حاصل کی۔ انہی دنوں مولوی عبد الحی صاحب جو حنفیوں کے مشہور عالم لکھنؤ میں تھے فوت ہوئے۔ میں ان کے جنازے میں شریک ہوا۔ انہوں نے میرا حکمت کا سرٹیفکیٹ بھی تصدیق کیا تھا۔ اور میرے لئے دعا بھی کی تھی جب میں تعلیم حکمت سے تقریباً ۱۳۰۴ھ میں فارغ ہوا۔ تو واپس دہلی چلا آیا۔ اور مولوی محمد اسحاق صاحب سے حضرت اقدس علیہ السلام کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا۔ "کہ ان کے اعتقادات کچھ خراب ہیں۔ میاں صاحب (نذیر حسین) کے پاس فتویٰ کے لئے آئے تھے۔ اس نے کہا ہے۔ کہ میں بوڑھا ہوں کتابیں نہیں پڑھ سکتا۔ تم کتابیں پڑھ کر قابل اعتراض مقامات پیش کرو۔"

آخر میری واپسئ وطن کے ایک دو سال بعد میاں نذیر حسین نے حضرت اقدس علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ دیدیا۔ ہاں ایک بات قابل ذکر بھول گیا ہوں۔ کہ جب میں احادیث صحاح ستّہ پڑھ کر فارغ ہوا۔ تو میرے استاد صاحب نے مجھے استاذ الکل مولوی نذیر حسین کے پاس سرٹیفکیٹ لینے کے لئے بھیجا جب میں ان کے پاس پہنچا۔ تو ان کے پاس شاگرد پڑھ رہے تھے۔ ان کو کہا۔ کہ حدیث کی تمام کتابیں اس کو دیدو۔ طلباء نے تمام کتابیں مجھے دیدیں۔ مولوی نذیر حسین نے ہر ایک کتاب سے تھوڑا تھوڑا پوچھ کر میرا امتحان لیا۔ اور پھر مجھے سند لکھدی۔ اور سرٹیفکیٹ میں بہت نصیحت کی۔ اور آیت ولا تخافون لومۃ لائم ...... لکھکر کہا۔ کہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا۔ اور حق پہچاننا۔ اور امّۃ مرحومہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم کرنا۔ اور جہاں تک ہو سکے حق پہچاننا۔ غالباً یہی ترجمہ اس عبارت کا ہے۔ جو میری سند پر لکھی ہے۔ وہ سند تاحال میرے پاس موجود ہے۔ ؎

۱۳۰۴ھ اور مولوی نذیر حسین کے دستخط اس پر ثبت ہیں۔ ایک سرٹیفکیٹ میرے استاد مولوی محمد اسحاق صاحب کا بھی ہے۔ اور ایک سرٹیفکیٹ مولوی عبد الحفیظ صاحب کا حکمت کے بارے میں بھی میرے پاس موجود ہے۔ (باقی آئندہ)